<u>پہلا پرچہ</u>

## ”باغ و بہار“ کا فنی و تنقیدی جائزہ

اردو داستانوں میں 'باغ و بہار' کا شمار صف اول میں ہوتا ہے۔ حالانکہ اس میں ایک پلاٹ نہیں۔ چار قلندروں اور ایک بادشاہ آزاد بخت کا قصہ ہے، جنہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام قصوں کو مصنف نے ایک مرکزی کردار کے ذریعہ باہم ربط دے دیا ہے۔ اور یہ مرکزی کردار آزاد بخت کا ہے۔ 'باغ و بہار' کا سب سے بڑا امتیازی وصف اس کا وہ انداز تکلم ہے جو کسی بھی لمحہ ہمیں نظر انداز نہیں کرتا۔ خود میر امن نے اپنے مقدمہ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

”موافق حکم حضور کے میں نے بھی اس محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے“

میر امن کا یہ انداز پوری کتاب پر حاوی ہے۔ 'باغ و بہار' داستان گوئی کے جملہ لوازم سے آراستہ ہے۔ جہاں کھانے کا ذکر آتا ہے، وہاں کھانے کی کوئی قسم باقی نہیں بچتی۔ جہاں ملبوسات کا ذکر ہے، وہاں ان کی کوئی کمی نہیں رہتی۔ جنسی تسکین کے لئے بھی کافی اسباب ملتے ہیں۔ اور قابل غور بات یہ ہے کہ ان تمام باتوں کا بیان اس طرز پر کیا گیا ہے جو محض کہانی کہنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً جب پہلا درویش دروازۂ دمشق پر پہونچا تو رات ہو چکی تھی۔ کہتا ہے : ”جب آدھی رات ادھر اور آدھی رات اُدھر ہوئی۔“

ہر کہانی دعا پر ختم ہوتی ہے۔ مشرق کی روایت کے مطابق، ہر کہانی کا انجام خوشگوار ہوتا ہے۔ یوں میر امن نے شروع سے آخر تک قصہ گوئی کے تمام گر استعمال کئے ہیں۔

'باغ و بہار' کا اگر ادبی تجزیہ کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ میر امن نے جو زبان استعمال کی ہے وہ خالص ہندوستانی ہے، جس کو ہندو، مسلمان، مرد، لڑکے اور ہر خاص و عام آپس میں بولتے ہیں۔ 'باغ و بہار' جس دور میں لکھی گئی اس دور میں پُرتصنع اور مقفّٰی عبارت لکھنے کو نشان امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن میر امن کے سامنے ایک خاص مقصد تھا، اس لئے انہوں نے ہندوستانی ٹکسالی زبان استعمال کی ہے۔ 'باغ و بہار' میں نہ تو عربی/فارسی الفاظ کی کثرت ہے اور نہ رجب علی بیگ سرور کے 'فسانۂ عجائب' کی مصنوعی زبان۔ میر امن نے اعتدال پسند رویہ اختیار کیا، جس میں ہندی اور فارسی الفاظ کا حسین سنگم نظر آتا ہے۔ میر امن کی عبارت میں بلا کی روانی ہے۔ وہ قاری کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے سحر سے آزاد نہیں کرتے۔ مثلاً :

”اسی طرح تین دن، تین رات صاف گزر گئے۔ ملکہ کے منہ میں ایک کھیل بھی اُڑ کر نہ گئی۔ وہ پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔“

یہی وہ بے مثال اسلوب ہے جس کی بنیاد پر کلیم الدین احمد جیسے ناقد بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ ”اس کی انشاء اس کی بقا کی ذمہ دار ہے۔“

میر امن کے اسلوب میں ایک حیرت انگیز چیز جذبہ و منظر کی ہم آہنگی ہے۔ یہ خالص غزلیہ شاعری کی چیز ہے اور میر امن سے قبل کسی نثر نگار نے اس کا التزام نہیں کیا تھا۔ مثلاً جب وہ پھولوں کو دیکھتا ہے تو اس کو گلبدن کا خیال آتا ہے۔ 'باغ و بہار' میں فطری جذبات نگاری کا عکس صاف جھلکتا ہے۔ مثلاً ایک عاشق کے جذبات کی ترجمانی یوں کی ہے:

”میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی، پر اس کافر کی صورت جی میں ایسی کھب گئی تھی۔ یہی جی چاہتا تھا کہ اپنی آنکھوں سے ایک پل جدا نہ کروں۔“

میر امّن کی منظر نگاری،ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ہے ۔اس ذیل میں انہوں نے جز ئیات نگاری کا بھی کمال دکھایا ہے ۔وہ تخیل کو صورت پذیر کر دیتے ہیں ۔ایک جگہ منظر نگاری یوں کرتے ہیں :''بدلی گھمنڈ رہی تھی ۔بوندیاں پڑ رہی تھیں ۔بجلی کوندرہی تھی ۔اور ہوا نرم نرم بہ رہی تھی ۔''

'باغ و بہار' کی ایک خاص بات یہ ہے کہ میر امّن نے جو زبان استعمال کی ہے وہ مقتضائے حال ہے ۔جہاں وہ عورتوں کا کردار پیش کرتے ہیں وہاں عورتوں کی زبان لکھتے ہیں اور جہاں درویش کا کردار پیش کرتے ہیں وہاں اسی کی مناسبت سے الفاظ لاتے ہیں ۔مثلاً نازنیں کی ماں کا ما درانہ لہجہ دیکھئے : ''اے کم بخت نا شدنی !کاش تیرے عوض میں پتھر جنتی تو صبر آتا ۔'' 'باغ و بہار' کی انشاء میں ادبیت اور شعریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ،اس سلسلے میں میر امن نے اشعار تو بہت کم دئے ہیں ،البتہ نثر میں ہی فن شعر گوئی کے تمام حربے استعمال کئے ہیں ،جس میں تشبیہ و استعارہ اور کنایہ وغیرہ سب شامل ہیں ۔'باغ و بہار' ایک تہذیب کی آواز تو ہے ہی ،یہ اس زمانے کے ذہنی رجحانات کی آئینہ دار بھی ہے ۔زمانے کے یہ رجحانات 'باغ و بہار' کے محاورات میں اپنا عکس دکھا رہے ہیں ۔میر امن کی نثر میں زندگی اور خود شناسی کی شان بھی ان کی محاورہ بندی نے پیدا کی ہے ۔جس طرح دہلی کے مزاج میں رمزیت اور اشاریت ملتی ہے اسی طرح 'باغ و بہار' کے محاورات میں بھی یہ خصوصیت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اس میں اس زمانے کے لوگوں ،خصوصاً دہلی والوں کی فطرتیں ، صلاحیتیں اور رجحانات ومیلانات آشکارا ہوئے ہیں ۔تا ہم سادگی اور بے تکلفی کے باوجود باغ و بہار میں تجع و قافیہ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے ۔کیونکہ باتوں میں تلاش کر کے ہم قافیہ الفاظ لانا غیر قدرتی بات ہے ۔مگر میر امن بعض اوقات اس کے دلدادہ نظر آتے ہیں ۔چونکہ اس زمانہ کی یہ عام روش تھی ۔اس لئے ممکن ہے ،غیر شعوری طور پر وہ اس سے متاثر ہوئے ہوں لیکن حقیقت یہی ہے کہ باغ و بہار کی اہمیت اس کے فطری اسلوب ہی کی بدولت ہے ۔سیدھی سادی زبان ، پوری داستان میں پائی جاتی ہے ۔لیکن یہ سادگی سپاٹ نہیں ہے بلکہ سادگی و پُرکاری بیک وقت جمع ہو گئے ہیں ۔کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب 'فن داستان گوئی ' میں لکھا ہے : ''میر امن کی عبارت میں ایک خاص آہنگ ہے، جسے موسیقیت یا وزن سے کوئی سروکار نہیں ۔میر امن کی انشا اپنی حدود میں لاجواب ہے۔ جس میں کہیں نشیب و فراز نہیں ۔شاعری کی بوقلمونی نہیں ۔تخیل کی پرواز نہیں ۔خوشی ومسرت ہو یا رنج و غم بھی کو وہ ایک رنگ میں بیان کرتے ہیں ۔''

میر امن کا اسلوب بیان کہیں بھی غیر فطری محسوس نہیں ہوتا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر بدلتے ہوئے واقعات کے ساتھ ان کی عبارت میں بھی ہلکا ہلکا تغیر ہوتا رہتا ہے ۔کہیں پری کے خیالی حسن کا بیان ہے اور کہیں اخلاقی خیالات کا ۔اور عبارت میں فرق فطری ہے اس لئے کہ مضامین مختلف ہیں اور میر امن کو ہمیشہ نفس مضمون کی فکر رہتی ہے ۔میر امن کی قصہ گوئی کا کمال یہ بھی ہے کہ اساطیری تصورات کے اس دور میں بھی وہ دیر تک انسانی زندگی سے دور نہیں رہتے ۔یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آنے والے تمام اہم ناول نگاروں نے 'باغ و بہار' کے مطالعہ سے ہی قصہ گوئی کا سبق سیکھا ہے ۔

☆☆☆